نظرات

آج کا انسان اب یا تو پہاڑوں پر جاکر خوبصورتی دیکھ سکتا ہے، یا خلاء بسیط میں جاکر ا دنیا پر ایک نظر ڈالنے سے اس کی خوبصورتی کا احساس کر سکتا ہے، لیکن جو اصل دنیا ہے، اس میں سکون اور خوبصورتی اب کسی کے لئے نہیں رہ گئی ہے، سیاست جب تک اصولی اخلاق کا تھا، اس دنیا میں ہزار جنگوں کے باوجود نسبتاً امن قائم رہا، لیکن جب سے سیاست ایک پیشہ بن گئی ہے، اس وقت سے یہ حال ہوگیا ہے کہ جنگ نہ بھی ہو تو اس کی دہشت اور خوف سے انسا بیچھا نہیں چھوٹ سکتا، اتنی آوازیں، اتنے بلاوے، اتنے نظریات، اور اتنے فلسفے کسی زمانے میں بھی دنیا میں جمع نہیں ہوئے جتنے کہ آج نظر آتے ہیں لیکن ہر فلسفہ کا خول اترتا ہے تو اس میں انسان کے — خواہ وہ فرد کی صورت میں یا قوم کی — استحصال کرنے والی ننگی قوت برآمد ہو جاتی۔

ان ملکوں میں جن میں ہندوستان بھی شامل ہے حالت اور زیادہ خراب ہے، جہاں سماجی مکمل نہیں ہوا ہے اور انھیں، ناپختگی کی حالت میں ایک دور سے دوسرے دور میں چھلانگ لگانی پڑ ہے۔ اس طرح کے ملک اور ان میں ہندوستان بھی شامل ہے ذہنی طور پر دولخت ہوگئے ہیں، اور ایک ایسی مضحکہ خیز صورت حال کا شکار ہو گئے ہیں کہ ان کے ذہن کا ایک حصہ پرانے دور میں لگا ہوا اور دوسرا حصہ نئے دور سے وابستہ ہوگیا، نتیجہ یہ ہے کہ وہ نہ تو پورے طور پر قدیم رہ سکے ہیں، نہ طور پر جدید بن سکے ہیں۔

ترقی یافتہ ہونے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ آپ اپنی دولت کے سہارے پر ایک ایئر کنڈیشنڈ کیڈیلاگ خرید کر اس میں سونے کے پتروں کا جڑاؤ ہر قسم کا آسائشی سامان فراہم کر لیں، لیکن آپ کا دماغ اٹھارہویں صدی کا ہی رہے، ایسی صورت میں چاہے آپ خلاء میں چکر لگا رہے ہوں، ذہنی اعتبار سے قدیم ہی رہیں گے۔ جدید اور ترقی یافتہ ہرگز نہیں بن [illegible] اس

کیا آپ بیسویں صدی کے جدید ذہن کے ساتھ پھٹے پرانے کپڑوں میں دوپہر کے وقت شام کی سڑکوں پر پیدل دوڑتے نظر آئیں تو اس بے سروسامانی، اور اسباب تعیش سے یکسر محرومی کی حالت میں بھی جدید اور ترقی یافتہ جانے رہیں گے قدیم اور رجعت پسند ہرگز نہیں ہو سکتے۔

ایسے بھی ملکوں میں — جن میں ہندوستان بھی شامل ہے — اور جن کی تعداد اس وقت تو سے بھی زیادہ ہوگی، ایسے ہی جدید اور ترقی یافتہ لوگ نظر آتے ہیں جو اٹھارہویں صدی کا دماغ کندھے پر رکھے ہوئے، ائرکنڈیشنڈ محلوں اور کوٹھیوں میں سکونت پذیر ہیں، اور جدید ترین لباسوں میں ایرکنڈیشنڈ کاروں کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہیں، ان لوگوں نے جاگیردارانہ اور سامراجی نظام کے دور میں مشینوں کی شکل تو دیکھ لی تھی، لیکن ان مشینوں کی کھٹ کھٹ سے ابھرنے والے اس صنعتی دور کی جھلک بھی نہیں پائی جس نے حقیقی ترقی یافتہ اور جدید ملکوں میں اس ذہنی انقلاب کو جنم دیا تھا، جو آج ایٹمی اور خلائی دور سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے ان کی رہنمائی کر رہا ہے۔

اسی صورت حال کا نتیجہ ہے کہ صرف دو چار ملک پورے طور پر جدید اور ترقی یافتہ ہو کر ساتھ خلائی اور ایٹمی دور کے ہر تقاضے کا ساتھ دینے پر قادر ہیں، اور دس بیس ملک تیزی کے ساتھ قدم مار کر ان کے برابر آنے اور قدم سے قدم ملانے کی تگ و دو اور جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں، باقی ملک وہ ہیں، جو خلائی اور ایٹمی دور کی برکتوں پر رشک و حرص کی نظریں ڈالنے اور اس کے تباہ کن اثرات اور خوفناک عمل سے لرزہ براندام ہونے کے سوا کوئی سکت اپنے اندر نہیں پاتے، وہ معاشی ترقی، فوجی قوت اور سیاسی استحکام کے لئے عملی طور پر بڑی قوتوں کی مدد پر انحصار کرنے اور بعض اوقات ان کے دست نگر بننے پر مجبور ہوتے ہیں، لیکن سماجی اور معاشرتی شعبوں میں ان کی ہمسری کی کوشش سے باز نہیں آتے۔

نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ناپختہ سیاسی اور ذہنی کیفیتوں کے سبب وہ تمام کمزوریاں بخرابیاں

اسی وہ تمام تناقض اور تضادات ان ملکوں کے [illegible] داخل ہو گئے جن سے مغربی [illegible]
سیاسی اعتبار سے تبدیلیاں ایک تاریخی عمل کے بجائے محض روایت [illegible]
ملک کے طرز پر جمہوری نظام — جو مشرقی ملکوں میں صرف اس لئے ناکام ہوا کہ [illegible]
نہیں پا سکے، جو خالص جاگیردارانہ اور صاحبجادوری کی دین تھا۔ انھوں نے جمہوری نظام ترقی یافتہ
ملکوں کی تقلید میں اپنے یہاں قائم کر لیا، جو اس کے قیام کے تمام مرحلوں کو طے کرنے کے
بعد ان ملکوں کی برکتوں سے مالا مال ہونے کے فطری طور مستحق بن گئے تھے۔ لیکن ان خرابیوں
اور ان محرکات کو ختم کرنے میں ناکام رہے، جن کی موجودگی میں جمہوریت دو قدم بھی آگے کی
طرف نہیں چل سکتی۔ اس لئے [illegible] ایشیا کے بیشتر ملکوں میں جمہوری نظام
کا جو انجام ہوا، وہ سب پر ظاہر ہے مگر ایک ہندوستان میں جمہوریت ابھی تک چل رہی
ہے لیکن اس کا دامن بھی بڑھتے ہوئے کرپشن نے جس طرح تار تار کر رکھا ہے، اسے
ہر شخص دیکھ سکتا ہے اس لئے اس کے بیان کی کوئی ضرورت نہیں۔

جیسا ہم نے کہا کہ ان ملکوں میں جہاں جاگیردارانہ دور کے خاتمہ کا عمل قدرتی
طور پر مکمل نہیں ہو سکا جتنے بھی سیاسی نظام قائم ہوئے، وہ خود اپنے اندرونی
تضادات کے بوجھ سے چرمرا کر اور چٹک کر کچھ کے کچھ ہو گئے۔ ان ملکوں میں طبقاتی
کشمکش بھی ابتدائی مرحلوں میں رہ گئی ہے، سوشلزم اور جمہوریت اور آمریت کے تجربے
بھی عملی طور پر ناکام ثابت ہو گئے ہیں، نتیجہ یہ ہے کہ آدمی سے زیادہ دنیا میں جس چیز کا
راج نظر آتا ہے وہ بے یقینی کی حالت ہے، جہاں آمریت اور ڈکٹیٹرشپ قائم ہے،
وہاں بھی لوگ پریشان ہیں، جہاں فوجی حکومتیں ہیں، وہاں بھی امن و سکون کے کوئی
آثار نہیں۔ ناپختہ ذہنی کیفیتوں سے ٹکرا کر ہر نظریہ چکنا چور نظر آتا ہے اور ہر نظام
کی روح اس کے قالب سے باہر دکھائی دیتی ہے۔ اسی بے سکونی، اسی پریشانی اور
شورش جیسی حالت کا قدرتی ردعمل انتہائی غیر منطقی اور مصنوعی فضا کی صورت میں ظاہر ہوتا
ہے، جس میں احیائیت کی طرف لوٹ جانے کی خواہش غالب نظر آنے لگتی ہے۔ لوگ
سوچنے لگتے ہیں کہ نئے طریق علاج اور نئے مرہموں سے تو چارۂ زخم نہیں ہو سکا تو آؤ

پر اتنا ہی طریقہ استعمال کر دیکھیں، لیکن مصیبت جب آتی ہے کہ اس خلفشار، پارہ پارہ سیاسی اور معاشی نظریوں کے گورکھ دھندے اور سماجی اور معاشرتی تبدیلیوں کی ایک لمبی زنجیر کے ساتھ گھٹن بھرے اپنے دور میں لوٹنا بھی مشکل اور ناممکن دکھائی دینے لگتا ہے۔ اور نجات کے اس راستہ کو بھی بند دیکھ کر جھلاہٹ میں اور اضافہ ہونے لگتا ہے جو پہلے ہی کچھ کم نہیں تھی۔

مثال کے طور پر جو لوگ مذہبی تعصب اور منافرت سے مجبور ہو کر ہندوستان پر ہندو راج قائم کرنے کا تصور پیش کرتے ہیں، ان کے جمہوریت سے غیر مطمئن ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں، البتہ ان کی بے اطمینانی اور مایوسی کی وجوہات پر بحث کی جا سکتی ہے اور اس کا قیاس لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جمہوری نظام سے اس درجہ مایوس ہو گئے ہیں کہ آگے بڑھنے کے بجائے انھیں پیچھے ہی ہٹنے میں عافیت نظر آتی ہے، لیکن ان کی ذہنی کیفیت اس وقت پوری طرح مشتبہ اور غیر معتبر ثابت ہوتی ہے، جبکہ وہ ان سوالات کا جواب دینے میں بے بس ٹھہرتے ہیں کہ وہ ایک پورے ملک کو اس کی صدیوں کی تبدیلیوں نیم پختہ اور پختہ رسوم و رواج اور معاشرتی اور سیاسی روایتوں کے ساتھ ہزاروں برس پہلے کی فضا میں کیسے لے جا کر ٹپک دیں گے اور یہ کیسے ممکن ہوگا کہ وہ نظام جو گاؤں اور دیہ کی پنچایتوں اور وسائل آمد و رفت سے محروم آبادیوں میں مروج تھا، ایسے عظیم اور گنجان شہروں پر منطبق کر دیا جائے، جن کی آبادی اب لاکھوں کی حد سے گذر کر کروڑ کی حدوں تک پہونچ رہی ہے۔ اور ان متضاد عناصر میں مناسبت کی کیا شکل ہوگی، جو ایک طرف ذاتو کے مستقل نظام اور دوسری طرف پچھڑی ہوئی جاتیوں کو مساوی درجہ دینے کے اصول، بینکوں کے ملکی اور غیر ملکی روابط، اور تجارت کے نئے اور بین الاقوامی ضابطوں کی پابندی اور اسی طرح کے مسائل کی صورت میں پرانے ہندو راج کے لئے ایک چیلنج کی صورت میں سامنے آئیں گے۔ جب تک مسلمان، عیسائی، اور اب — کہنا چاہئے کہ سکھ قومیتیں، ایک ناگوار اور ناقابل برداشت بوجھ کی صورت میں سامنے ہیں، اس وقت تک تو ہندو راج کا تصور یقیناً دلکش اور دلفریب نظر آ سکتا ہے

بھی اس میدان میں مذاہب تمام توضیحات کو ختم کرکے مقاصد اس کے تمام مذاہب و
ر دقوم کے لیے مخصوص کر لینے کے تمام خواب آگیں اور سحر انگیز مناظر موجود رہیں
ر کے لیے یہ مان کر چلنے کے بعد کہ ہندوؤں کے علاوہ کوئی دوسری قومیت اور کوئی
سرا فرقہ ملک میں موجود نہیں رہا۔ خود ہندو راج کا نظریہ کس درجہ ناقابل عمل اور
معنی نظر آنے لگتا ہے اس کے بارے میں سوچنے تک کی ضرورت غالباً کسی کو محسوس
ہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ ہندو راج کے نظریہ کی ساری دلکشی اور آب و رنگ، غیر ہند
لیتوں اور غیر ہندو مذاہب کی وجہ سے قائم ہے۔ یہ قومیتیں درمیان سے نکل جائیں تو یہ مسئلہ
ہ نہ ہو پائے گا کہ ہندو راج سناتن دھرمیوں کے اقتدار میں قائم ہوگا، یا آریہ سماجیوں کے
ر اس اقتدار میں شمالی ہندوستان کے ہندوؤں کے معتقدات کا غلبہ ہوگا یا جنوب کے ہندو مکتب
لکر و خیال کا — اور یہ کہ اس راج کی سرکاری زبان ہندی ہوگی یا انگریزی بولنے والے
ہندوؤں کے نظریات اس مسئلہ پر قطعی اور آخری ثابت ہوں گے — اور یہ کہ اس راج میں
رکاری مذہب مورتی پوجنے والوں کا مذہب ہوگا یا مورتی کھنڈن کرنے والوں کا۔ اس
ایک نمونہ تو پاکستان میں دنیا دیکھ ہی رہی ہے، جہاں اسلام کے سرکاری مذہب پر
ب کا اتفاق ہے لیکن اس کی تعبیر و تعریف مختلف طبقوں اور مختلف پارٹیوں کی طرف سے
تنے مختلف انداز میں کی جاتی ہے کہ صاف طور پر محسوس ہونے لگتا ہے کہ پیپلز پارٹی
اسلام اور ہے، مسلم لیگ کا اور ہے، جماعت اسلامی کا اسلام اور ہے،
ر حکمران مسلم لیگ کا اسلام اور دیوبندی عقائد کے لوگوں کا اسلام اور ہے،
یلوی جماعت سے متعلق لوگوں کا اور — نتیجہ یہ ہے کہ ملک پر اسلامی نظام کے نفاذ
ے زیادہ متنازعہ وہاں کوئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔

جن قوموں کے سیاسی نظاموں کو کامیاب اور مستحکم سمجھا جاتا ہے وہ بھی
لسانی تضاد کا اس درجہ شکار ہیں کہ ان کے دعووں اور نظریاتی اتحاد

کا احساس واضح طور پر دکھائی دینے لگتا ہے ، مثال کے طور پر روس کے کمیونسٹ نظام میں جس کی بنیاد ہی مزدوروں کی پرولتاریت اور اقتدار کے نظریہ پر قائم ہے اور جو مزدوروں کے ہڑتال اور زیادہ بہتر زندگی کے حق کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے ، اس کے اپنے اور حلقہ اقتدار میں آنے والے ملکوں میں مزدوروں کو ہڑتال کا حق حاصل نہیں ہے ، وہ ساری دنیا میں مزدور تنظیموں کی جدوجہد اور ان کے ہڑتال کے حق کی حمایت کرتے ہیں ، لیکن پولینڈ والوں کے ہڑتال کے حق کے مطالبہ کا جواب ، وارسا میں فوجی کارروائیوں اور ٹینکوں کے استعمال کے ذریعہ دیتے ہیں ، ساری دنیا میں قوموں کے حق خود ارادیت کی تائید کرتے ہیں لیکن ہنگری ، پولینڈ ، چیکوسلاویکیہ اور افغانستان کے لوگوں کو حق خود ارادیت دینے پر کسی طرح تیار نہیں ہوتے ۔ ان کے مقابلہ میں مغربی ملکوں میں جہاں مساوات ، جمہوریت اور قوموں کو آمریت سے آزاد کرانے کا موقف اتنا مستحکم ہے کہ وہ اس کو جمہوری اور آزاد نظام کی کامیابی کا ثبوت اور اس کی ضمانت قرار دیتے ہیں ، کمزور ملکوں کو ڈپلومیسی ، تجارت اور قرضوں کے جال میں پھنسا کر بے بس اور محکوم بنانے کے منصوبے دھڑلے کے ساتھ روبہ عمل لائے جاتے ہیں ، اور ان ملکوں کی حقیقی نمائندہ حکومتوں کو گرا کر اپنی آلۂ کار حکومتیں قائم کرنے کی سازشیں دن رات چلتی رہتی ہیں ۔

ہندوستان میں جہاں سب طبقوں ، تمام مذاہب اور تمام فرقوں کے لئے مساوی سلوک اور مساوی مواقع کے اصول پر جمہوریت قائم ہوئی تھی ، تھوڑی دور آگے چل کر ہی ، سیکولرازم اور جمہوریت کا تصور اس لئے دھندلا پڑ گیا کہ لوگ پرانے جاگیردارانہ نظام سے اپنا ذہنی رشتہ توڑنے کے لئے تیار نہ تھے ، اور حکومت کو بدستور ، ایک ایسی چیز سمجھتے تھے ، جو راجاؤں اور بادشاہوں کی طرح ہر اختیار اور ہر طرح کے وسائل کی بلا شرکت غیرے مالک ہو ۔ اس جاگیرداری اور شہنشاہی ذہنیت

کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت کو خود اپنی ملکیت سمجھنے کا تصور عام [illegible] ہو گیا اور وہ حکومت میں شرکت کے جذبہ کے بجائے، حکومت کو اپنے سے الگ، بلکہ اپنے اوپر حاکمیت قائم کرنے والا ایک ادارہ سمجھنے لگے، اور اس طرح وہ ایک [illegible] کیفیت کا شکار ہو گئے جس میں حقوق کے مطالبہ اور مراعات کے حصول کا جذبہ غالب اور فرائض کا احساس اور ذمہ داریوں کا خیال اس طرح مغلوب و معدوم ہو کر رہ گیا کہ آج اس کا نشان تک بھی عوامی نقل و حرکت اور سماجی و سیاسی سرگرمیوں میں دکھائی نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ کہنے کو تو ہندوستان میں دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت قائم ہے لیکن عملی طور پر، اور ذہنی طور پر یہاں کے عوام اٹھارھویں صدی کے ماحول میں رہ رہے ہیں۔ اسی ذہنی انتشار کا نتیجہ ہے کہ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ ساری دنیا میں عام انسانی زندگی، بے اطمینانی، بدنظمی اور ایسی مشکلات کا شکار ہو گئی ہے کہ کسی جگہ سکون اور دل جمعی کا نشان نہیں رہا۔